بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

پاکستان کی مملکت کا معنوی اساس اسلام ہے۔ اور پاکستان کے عوام کی زندگی کا سب سے غالب مؤثر اور فعّال نصب العینی، اخلاقی، اجتماعی بلکہ سیاسی محرک اُن کا اسلامی شعور، اسلام سے اُن کی فطری و روایتی وابستگی اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق اُن کا اپنے آپ کو حتی الوسع ڈھالنے کا جذبہ ہے۔ اب اگر ہم پاکستان کو مستحکم کرنا چاہتے ہیں، اُس کی سالمیت ہمیں عزیز ہے، اور ہم اسے ایک خوش حال اور ترقی یافتہ ملک دیکھنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ مملکتِ پاکستان کا معنوی اساس یعنی اسلام کا تصوّر اتنا گہرا، اس قدر وسیع اور ہمہ گیر ہو کہ نہ صرف وہ ہمیں قومی وحدت عطا کرے اور مختلف علاقوں، زبانوں اور تمدنوں کی الگ الگ اکائیاں جن سے کہ پاکستان عبارت ہے، اس بڑی قومی وحدت سے ہم آہنگ ہو جائیں، بلکہ اس سے ہمیں پوری اسلامی برادری میں جو ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، ایک وقیع مقام بھی ملے اور ہم اس قابل بھی ہوں کہ بین الاقوامی اور بین الانسانی زندگی میں اپنی ایک مخصوص راہ بنا سکیں۔

اسلام ایک عقیدہ بھی ہے، احکام و مناسکِ مذہبی اور ضوابطِ اخلاق کا ایک مجموعہ بھی۔ اور ہیئت اجتماعی وسیاسی کے لئے مشعل ہدایت بھی۔ ہمیں اسلام کو ان سب صورتوں میں یہاں نافذ و کارفرما کرنا ہے، تب کہیں جاکر ہم ان مقاصد کو حاصل کر سکیں گے جن کے لئے اس برّصغیر میں یہ الگ مستقل مملکت وجود میں آئی تھی۔

آج سے چودہ سو سال پہلے اسلام جب منصۂ شہود پر آیا تھا تو اُس نے اس وقت کی دنیا کو ایک ایسا عقیدہ دیا کہ تمام مذاہب پیشیں اس پر اکٹھا ہو سکتے تھے۔ اس نے عربوں کی بکھری

ہوئی قوم کو جس کے ہر قبیلے کا اپنا الگ الگ معبود اور جس کی اپنی اپنی جگہ خود اپنی مملکت تھی، ایک ایسی سیاسی و اجتماعی ہیئت عطا کی کہ اُس نے ایک طرف تو تمام عربوں کو ایک متحد قوم بنا دیا اور دوسری طرف انہیں ایک ایسے انسانی رشتے میں پرو دیا کہ ہر قوم، ہر نسل اور ہر رنگ کے لوگ اور ہر ملک کے باشندے اس میں شریک ہو سکتے تھے۔ یہ تھا اسلام کا ملّت کا تصوّر، جو قومیّت سے ہمہ گیر انسانیت کی طرف اگلا قدم تھا۔ بلکہ عملاً وہ مترادف تھا خود انسانیت کے۔

اسلام نے تمام اہلِ مذاہب کو چند بنیادی نقاط پر جمع کرنے والا عقیدہ دیا۔ اُس نے عبادات اور احکام و مناسکِ مذہبی اور اخلاقی ضابطوں کا ایک ایسا نظام مرتب کیا، جو ہر انسان کو اعلیٰ سے اعلیٰ فضائل تک لے جا سکتا تھا۔ پھر اسلام کی بدولت ایسی ہیئتِ اجتماعی و سیاسی وجود میں آئی کہ اس نے اس وقت دنیا کے ایک بڑے حصّے کو اپنے میں شامل کر لیا، اور جو حصّہ اس سے باہر رہا، وہ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا، چنانچہ یورپ کی احیائے علوم کی تحریک بہت حد تک اسلام ہی کے ان اثرات کی رہین منت ہے۔

اسلامی تاریخ کی ابتدائی صدیوں میں یہ تھا اسلام کا "رول"۔ اور اس سے جو دور رس نتائج نکلے، وہ دنیا نے دیکھے۔ لیکن ایک زمانہ آیا کہ اسلام، جس نے اپنے ماننے والوں کو، خواہ وہ کسی نسل یا خطے کے بھی تھے، ایک متحدہ ملّت بنا دیا تھا، اور جس کی قائم کردہ ہیئت سیاسی و اجتماعی میں ہر اس شخص کے لئے جگہ تھی، جو اس میں امن سے رہنا چاہے، خواہ وہ کسی عقیدے، مذہب اور مسلک کا ہو، خود مسلمانوں کے لئے باعث تفریق بن گیا۔ اور وہ اسلام کے نام سے اور اسلام کی مختلف تعبیرات کی بناء پر آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگے۔ خود اہلِ سنت کے ہاں فقہی اختلافات نے منافرت کی جو شکل اختیار کی اور احناف و شوافع ایک دوسرے سے جس طرح دشمنی کرنے لگے، اس کی تفصیلات کتابوں میں ملتی ہیں، پھر سنیوں اور شیعوں کا نزاع تو مشہور ہے ہی۔ اور اس سے مسلمان سلطنتیں جس سرعت سے زوال کے گڑھے میں گریں اور ان کا شیرازہ پارہ پارہ ہوا، اس کی داستان تو بڑی ہی دردناک اور عبرت خیز ہے۔

اس برّصغیر میں مغلیہ دور میں اس نزاع نے غیر مسلم طاقتوں کو غالب آنے کے لئے جس طرح

راہ ہموار کی، تاریخ کا ہر طالب علم اس سے واقف ہے۔ بغداد، ہلاکو خاں تاتاری کے ہاتھوں جو تباہ و برباد ہوا، اس میں ایک حصّہ ہمارے اس نزاع کا بھی تھا۔ پھر سنی عثمانی ترکوں اور شیعہ صفوی ایرانیوں نے باہم لڑ کر مشرق وسطیٰ کو اتنا کمزور کر دیا کہ جب مغربی قومیں اِدھر بڑھیں تو ان کے لئے پوری اسلامی دنیا ایک لقمہ تر تھی۔

ہم پاکستانیوں کو اپنی اس تاریخ سے سبق لینا چاہیئے۔ بے شک اسلام کے عقائد، اس کا عبادات و مناسک اور اخلاقیات کا نظام اور اس کی اجتماعی و سیاسی ہیئت کے نظریات بہترین ہیں، اور پوری دنیا ان سے بہتر کوئی چیز پیش نہیں کر سکتی۔ لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر ان سے پاکستان کے عوام میں اتحاد و اتفاق کے بجائے باہمی بے اعتمادی و نفرت پیدا ہوتی ہے۔ ہم ملک کی تعمیر و ترقی کے کاموں میں حصّہ لینے کے بجائے فضول بحثوں میں دن رات الجھے رہتے ہیں۔ ہماری ساری قوت لاحاصل باتوں میں صرف ہوتی ہے اور اسلام کا نام لے لے کر وہ سب کچھ کہا جاتا اور کیا جاتا ہے، جس سے کہ اتنے شاندار عروج کے بعد مسلمانوں کو زوال کا منہ دیکھنا پڑا، اور اُن کی وحدت ایک ہزار ایک متحارب گروہوں میں بٹ کر رہ گئی، تو ان حالات میں پاکستان کا کیا بنے گا، اور ہم کس طرح اپنا وجود اور ملک کی سالمیت کو برقرار رکھ سکیں گے۔

ایک ہفتہ دینی رسالے "المنبر" لائل پور نے پچھلے دنوں لکھا تھا "... جتنے بھی فرقے اس ملک میں مذہب کے نام پر پائے جاتے ہیں، ان سب میں انتشار بدرجہ غایت موجود ہی نہیں، روزافزوں ہے۔ اور حسد و بغض، غیر صحت مندانہ مسابقت، نفع قلیل کی خاطر نقصانِ عظیم کو برداشت کرنے کا طرزِ عمل جاری و ساری ہے..." یہ تو ملک میں اس وقت مذہبی فرقہ وارانہ فضا کی جو افسوسناک کیفیت ہے، اس کی طرف محض ایک معمولی سا اشارہ ہے۔ باقی مختلف مذہبی فرقوں کی مخصوص دینی درس گاہوں، اُن کے رسالوں، اُن کی مطبوعات اور پھر اُن کے علماء کے وعظوں، اُن کے آئمہ اور خطیبوں کے خطبوں اور اُن کے مقرروں کی تقریروں میں جو کچھ پڑھا پڑھایا، لکھا اور کہا جا رہا ہے، یہ کہتے ذرا ڈر لگتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر ان سرگرمیوں کو کسی ضابطے یا قاعدے کے ماتحت لانے کی جلد کوشش

نہ ہوئی تو جہاں خارج سے زبردست جارحیت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکی، وہاں یہ داخلی انتشار انگیز، مفسدہ پرداز اور باہم لڑانے والی قوم کی تعمیر و ترقی کے بجائے اسے تخریبی خطوط پر ڈالنے کی کارروائیاں پاکستان کو کبھی مضبوط و متحد ہونے نہیں دیں گی۔ اور اگر ان سرگرمیوں کو اسی طرح بے عنان چھوڑ دیا گیا اور منبر و مسجد اور دینی اداروں سے یہی کام لیا جاتا رہا جو الاّ ماشاء اللہ، آج کل لیا جا رہا ہے تو ہم خواہ کتنے بھی کارخانے لگالیں، ہمارے ہاں تعلیم کتنی بھی عام ہو جائے، اور حکومت کی عوام کو متحد و ہم آہنگ (INTEGRATION) کی کتنی بھی کوششیں ہوں، ان کے نتائج حسب دل خواہ کبھی نہیں نکلیں گے۔ اور مذہبی فرقہ پرستی اور مذہب کے نام سے مفید و تعمیری کاموں کی جگہ مُضر اور بے کار چیزوں کی طرف عوام کی توجہ مبذول کرانے کی مہم برابر جاری رہے گی۔ اور اگر اس وقت اس کا سدّباب نہ ہوا، تو یہ فتنہ بہت بڑھ جائے گا اور پاکستان کی سالمیّت کے لئے خطرہ ثابت ہو گا۔

جب اسلام ایک زندہ فعّال مثبت اور اثر آفریں نظام تھا، تو کیا مسجد و منبر اور کیا دینی تعلیم کے ادارے، ان سب کی حیثیت نجی جائدادوں کی نہ تھی، جیسے کہ آج کل پاکستان میں ہے۔ اب اگر اسلام محض کلمہ تشہد، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا نام نہیں ہے، وہ ایک مخصوص نظامِ سیاست و اجتماع بھی چاہتا ہے، تو یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ وہ سرچشمے جن سے کہ ملّی زندگی کی تمام تر تعمیری، اصلاحی اور نصب العینی قوّت پھوٹتی ہے، وہ ملّت کی مجموعی نگرانی میں اور اُس کے زیرِ انتظام نہ ہوں، بلکہ وہ چند مخصوص لوگوں کی ذاتی جاگیریں بن کر رہ جائیں اور وہ اُن کا اس طرح استحصال کریں کہ اس سے ملّت کو نقصان پہنچے، اس کی صلاحیتیں ضائع ہوں، اس میں تفرقہ فروغ پائے۔ ایک منبر دوسرے منبر سے ٹکرائے، ایک مسجد میں دوسری مسجد کے خلاف اکھاڑہ قائم ہو۔ اور ہر فرقہ، بلکہ اُس فرقے کا ہر گروہ، یہاں تک کہ ہر گروہ کا ہر ہر فرد دوسرے کے خلاف مضامین لکھے، رسائل شائع اور کتابیں تصنیف کرے۔ یہ اسلام کے کام نہیں، بلکہ اسلام کے نام سے اسلام کے اصل مقاصد کو نقصان پہنچانا ہے۔

شائد پاکستان واحد اسلامی ملک ہے، جہاں مسجد و منبر، مسندِ وعظ و ارشاد، دینی اداروں اور مذہبی درس گاہوں کو یوں غلط استعمال کرنے کی اس طرح کی کھلی چھٹی ہے۔ اس

زمانے میں جبکہ پوری قوم کی تمام کی تمام قوت کو ملک کی مادی و معنوی ترقی کے کاموں میں وقف کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ قوم کی اتنی خلوص وللہیت سے بھرپور اور فعّال قوت کا اس طرح ضائع ہونا، نہ صرف ضائع ہونا، بلکہ اس کا ملک و قوم کے حقیقی مفادات کے خلاف استعمال ہونا کتنا بڑا نقصان ہے۔

اسلامی ممالک میں ترکی پہلا ملک ہے، جس نے اپنے ہاں کے اس طرح کے مذہبی طبقوں کی بے اعتدالیوں سے تنگ آکر مسجد و منبر، مسند وعظ و ارشاد اور دینی تعلیم کو بالکل انتظامیہ کی تحویل میں دے دیا، اور اس طرح ترکوں کی مذہبی زندگی کلیتہً انتظامیہ کے ایک شعبے کے تحت آگئی یہ اقدام دراصل اتاترک کی افراط تھی مذہبی طبقوں کی تفریط کے جواب میں۔ لیکن اکثر عربی ملکوں نے اس افراط و تفریط سے بچ کر ان امور میں اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کی ہے، وہاں نہ تو مذہب اور مذہبی سرگرمیوں کو سرتاسر انتظامیہ کا ایک شعبہ بنا دیا گیا ہے اور نہ انہیں اس طرح بے عنان چھوڑ دیا گیا ہے کہ ان سے ملک و قوم کو فائدے کے بجائے الٹا نقصان پہنچے۔ مثال کے طور پر مصر کی ہر مسجد وہاں کی وزارت اوقاف کے زیر انتظام ہے، اور اس میں امام، خطیب اور مؤذن کا تقرّر وہی وزارت کرتی ہے۔ مصر میں کوئی شخص یہ سوچ ہی نہیں سکتا کہ وہ از خود ایک مسجد بنالے، وہ اس مسجد میں جو چاہے پڑھائے، اور اس کے منبر سے جو جی میں آئے، وعظ کرے اور پھر یہ مسجد اس کی جائداد بن جائے کہ اس کے بعد وراثت میں اس کے خاندان کو ملے۔

اور جہاں تک مذہبی تعلیم کا تعلق ہے، ہر شخص آزاد ہے کہ جس مذہب کی وہ چاہے تعلیم حاصل کرے، اور ذاتی طور پر اُس کی تعلیم دے، لیکن یہ کہ کوئی شخص یا چند اشخاص ایک مجلس بنا کر اس کے زیر اہتمام اپنا دار العلوم کھول لیں۔ یہ وہاں کسی کے وہم و گمان میں نہیں آسکتا۔ جامعہ ازہر ایک دینی درس گاہ ہے، جس کی مختلف شہروں میں شاخیں ہیں۔ باقاعدہ مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے لئے اس میں داخلہ لیا جا سکتا ہے۔ باقی یہ ضروری نہیں کہ آدمی وہی اعتقادات رکھے، جو مثلاً ازہر کے شیوخ کے ہیں۔ اس لحاظ سے وہاں پوری فکری آزادی ہے۔ البتہ دینی درس گاہوں کا اپنا ایک مقررہ نظام ہے، اور بالواسطہ حکومت اس پر نظر رکھتی ہے۔

مساجد اور دینی معاہد کا دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی یہی انتظام ہے۔ اور ان ملکوں کی اوقاف کی وزارتیں اُن کی نگران اور منتظم ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وزارتِ اوقاف کے ذریعہ ان ملکوں کی انتظامیہ مساجد اور معاہد دینیہ پر اس طرح مسلط ہے، جیسے کہ یہ کوئی حکومت کا شعبہ ہوں۔ لیکن یہ بھی نہیں ہوتا، جیسے کہ ہمارے ہاں آج کل ہو رہا ہے کہ مسجدیں مختلف فرقوں میں بٹی ہوئی ہیں۔ اور ہر روز درس میں اور ہر جمعہ کو خطبے میں دوسرے فرقوں کے خلاف آگ برسائی جا رہی ہے۔ بڑی مسجدوں کے خطیب اکثر ازہر کے فارغ التحصیل علماء ہوتے ہیں۔ اور عام طور سے جمعہ کے دن اُن مسجدوں میں زیادہ بھیڑ ہوتی ہے، جہاں کا خطیب زیادہ اچھا بولنے والا ہو، اور جہاں نمازِ جمعہ سے قبل قراءت کرنے والے قاری اچھا قرآن پڑھنے والے ہوں لیعنی آئمہ اور خطباء فرداً فرداً آزاد بھی ہیں، اور مجموعی طور پر ملک و قوم کی عمومی پالیسیوں کا بھی اپنے خطبوں میں خیال رکھتے ہیں۔

مصر میں واعظ بھی ہیں، جو گاؤں گاؤں جا کر مذہبی تقریریں کرتے ہیں، لیکن یہ بھی سب وزارت اوقاف کے تابع ہیں۔ چنانچہ کسی اسلامی ملک میں اس طرح کے دینی اجتماعات کا رواج نہیں جہاں کسی ایک فرقے کے علماء اور واعظ جمع ہوں اور اپنے مخالف فرقوں سبّ و شتم کی شعلہ افشانیاں کریں۔

پاکستان کو اپنے دفاع کے سلسلے میں جن مہیب خطرات کا سامنا ہے۔ نیز اسے جس داخلی اتحاد اور قومی یگانگت اور ہم آہنگی کی اس وقت شدید ضرورت ہے۔ اور پھر اپنے معاشی وسائل کو ترقی دینے، اور صنعتی انقلاب در آنے سے اس میں لبرعت معاشرتی تبدیلیاں ہو رہی ہیں، اور جن کے پیش نظر اسے ایک نئے سماج کی تشکیل کرنا ہے، ان سب سنگین حالات اور پیچیدہ مسائل کی موجودگی میں موجودہ نام نہاد مذہبی سرگرمیوں کی جو ہماری قومی زندگی کو سب سے زیادہ متاثر کرتی ہیں، یہ طوائف الملوکی، یہ انارکی اور یہ انتشار انگیزی کب تک برداشت کی جا سکتی ہے؟